اقبال اور مسلم تہذیب وثقافت

ڈاکٹر گلشن طارق

Dr. Gulshan Tariq

Dean Faculty of Languages,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The collective beliefs of a nation combine to make a civilization. Civilization, also reflect the life style and thinking patterns of a society. When a group of human beings lives together in a particular place, they, quite naturally, tend to share their customs, traditions, way of life, moral values, dressing and language with each other. The need to have necessities of life marks the first step towards mental elevation of man. It is considered to be the beginning of human culture. Actually man's life started in a very simple way. It was through evolution that man entered into this Modern phase of development, and attained the standard of civilization which is appreciated by a cultured society. The Muslim heritage is based on the principles of the Quran and Hadith, and thus owes its roots to the birth of the Prophet Muhammad (PBUH). Allama Muhammad Iqbal demonstrated the essences of Islamic heritage by means of his addresses and poetry. Undoubtedly, Islamic heritage is built on the roadmap designed by Allah. And hence, it is the ultimate heritage.

کسی قوم کے مجموعی عقائد کو تہذیب کہتے ہیں اور ان کے اظہار کو ثقافت یا کلچر کہتے ہیں۔ تہذیب کے چار نمایاں ستون ہیں۔ زبان، مذہب، سماج اور معاش۔ تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی کسی درخت یا پودے کی کانٹ چھانٹ کرنا ور اسے تراشنا کے ہیں۔ تاکہ اس کی نئی شاخیں

نکل آئیں اور نئی کونپلیں پھوٹیں۔ فارسی میں تہذیب کے معنی آراستہ پیراستہ کرنے کے ہیں۔تہذیب کے بارے میں ول ڈیورنٹ لکھتا ہے:

''تہذیب وہ معاشرتی ترکیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے۔تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اور فکر و احساس کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان، آلات و اوزار، پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے، رہن سہن، اخلاق و اعداد، رسم و روایات، علم و ادب، حکمت و فلسفہ، عقائد و افسوں، فنون لطیفہ، عشق و محبت کے اسلوب اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔''(۱)

تہذیب وتمدن کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی قومی انگریزی لغت میں رقم طراز ہیں:

'' تمدن، مدنیت، تہذیب و تمدن، اصلاح، تربیت، درستی، انسانیت، شائستگی، اسی طرح civilize سے مہذب بنانا، وحشی حالت سے باہر لانا، نظم وضبط اور شہری تنظیم قائم کرنا مراد لیا گیا ہے۔''(۲)

تہذیب کے بارے میں سرسید احمد خان اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''جب ایک گروہ انسانوں کا کسی ایک جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے تو اکثر ان کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں، ان کی غذائیں، ان کی پوشاکیں، ان کی معلومات، اور ان کے خیالات، ان کی مسرت کی باتیں اور ان کی نفرت کی چیزیں سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے برائی اور اچھائی کے خیالات بھی یکساں ہوتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے تبدیل کرنے کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اس قوم یا گروہ کی سولائزیشن ہے۔''(۳)

کلچر لاطینی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی زراعت، ریشم کے کیڑوں، سیپوں اور بیکٹیریا کی پرورش یا افزائش کرنا اور جسمانی یا ذہنی اصلاح و ترقی کرنا کے ہیں۔ جب انسان نے انسانی ضروریات کی خلش محسوس کی تو وہ انسان کے ذہنی عروج کا نقطہ اولین تھا اور وہ انسانی کلچر کا آغاز تھا۔کسی قوم کی تاریخی، اخلاقی، مذہبی، علمی، فکری، روحانی، ذہنی ترقی کے نچوڑ کو متمدن زندگی یا کسی قوم کی ثقافت کہا جاتا ہے۔''دور جدید کے عالم گیر فتنے''میں عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں:

''ثقافت پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ زندگی کی کلیت تہذیب، تمدن،

معاشرت، معاملات اور طرز زندگی کا نام ہے۔ اس میں رہن سہن
سب شامل ہے۔'' (۴)

لفظ ثقافت یا کلچر موجودہ زمانے کی اصطلاح ہے اس بارے میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ''اسلامی ثقافت'' میں لکھتے ہیں:

''کلچر بھی ایک ایسی ہی اصطلاح ہے جس کی اہل علم و دانش نے
مختلف قسم کی بیسیوں تعریفیں کی ہیں۔ کلچر کے لئے عربی اور اردو میں
ثقافت کی اصطلاح اثرِ حاضر کی پیداوار ہے۔'' (۵)

فرد یا افراد اپنی جماعت یا معاشرے کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ اور کسی معاشرے کے تہذیبی معیار کو جانچنے کے لئے افراد ہی کی عادات و اطوار کو پیمانہ بنایا جاتا ہے۔ ثقافت کا تعلق انسان کے شعوری پہلو سے ہے اور شعوری پہلو کے ساتھ ساتھ ایک عملی پہلو بھی ہوتا ہے جسے کردار کہتے ہیں۔ کردار ثقافت کی طرح انفرادی بھی ہوتا ہے اور مجموعی طور پر معاشرے کا کردار بھی۔ تہذیب اپنے اقدارِ حیات کا مخصوص تصور رکھتی ہے۔ یہ اقدار اسی تہذیب کے صدیوں پر محیط تجربے اور پس منظر کی ترجمان ہوتی ہیں۔ وہ افراد کی ذہنی اور جذباتی زندگی کا حصہ بن کر ان کی شخصیت کو بناتی اور سنوارتی ہیں۔ اقوام انہی اقدار کے سہارے اپنا وجود برقرار رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کا صحت مند ہونا بہت ضروری ہے اور جب اقدار بدل جاتی ہیں تو فرد یا افراد کا زاویہ نگاہ اور سمت حیات کا بھی بدل جاتی ہے۔

انسانی زندگی کا آغاز نہایت سادہ تھا لیکن وہ اس تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھا۔ جو آج کے معاشرے کا خاص جزو ہے۔ انسان ارتقائی سفر طے کرتا ہوا آخر کار آج کی جدید دنیا میں داخل ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے اس معیار کو پہنچ گیا جو مہذب معاشرے میں پسندیدہ ہے۔

جب اسلامی ثقافت کی بات ہوتی ہے تو اس کے لئے مخصوص عقائد و روایات کا ذکر ہوگا۔ عقائد قرآن، حدیث، کلمہ طیبہ، عقائد کا اظہار عبادات اور رسوم و رواج اسلامی کی بنیادیں ہیں۔ ثقافت کی نشوونما اور ارتقاء میں کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اپنی کتاب ''اسلامی ثقافت'' میں رقم طراز ہیں:

''ثقافت کے نشوونما و ارتقاء کے دیگر عوامل کون سے ہیں اور کس طرح
انسان نے اپنی ثقافتی زندگی کا آغاز کیا؟ یہ معلوم کرنے کے لئے
ہمیں زندہ خدا کی زندہ کتاب قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔
جس نے قصہ آدم میں اس طرف بڑے ہی فکر آفرین اور بصیرت
افروز اشارے کئے ہیں۔'' (۶)

اقبال کے بارے میں یہ بات واضح طور پر کی جا سکتی ہے کہ وہ جنوبی ایشیا میں علم، تہذیب اور

ثقافت کا نمائندہ ہے۔ اور لفظ مسلم کی تعریف ہے اللہ کی اطاعت اور خدمت کرنے والا۔

حضرت محمد ﷺ کی اس دنیا میں آمد اس دنیا اور کائنات کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ اس کائنات کی بنا حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک بنی۔ حضرت محمد ﷺ کی دنیا میں آمد سے نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا آغاز حضور پاک ﷺ کی ذات مبارک کی وجہ سے ہوا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا اس وقت متمدن دنیا کی کیا حالت تھی اس بارے میں اقبال اپنے چھٹے خطبے ''الاجتماعی اسلام'' میں رقم طراز ہیں:

> ''معلوم ہوتا تھا وہ عظیم الشان تمدن جس کی تعمیر میں چار ہزار برس صرف ہوئے، انتشار اور تباہی کے کنارے آلگا ہے۔ لہٰذا ڈر تھا کہ انسان پھر کہیں وحشت اور بربریت کا شکار نہ ہو جائے جس میں ہر قبیلہ اور ہر فرقہ دوسرے قبیلے اور دوسرے فرقے سے دست و گریبان رہتا اور جس میں کہیں قانون کا تصور تھا، نہ نظم و نسق کا۔ قبائلی زندگی کی بنیاد جن تکالیف پر تھی ان میں اب کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا اور اس لئے وہ پرانے طور طریق بھی جس سے اس وقت سلطنتیں کام لے رہی تھیں۔ بےکار اور فرسودہ ہو چکے تھے۔ رہیں وہ تکالیف جو ان کی جگہ عیسائیت نے قائم کیں۔ سو وہ نظم اور اتحاد کی بجائے اور زیادہ افتراق، ہلاکت اور تباہی پھیلا رہی تھیں۔ یہ زمانہ بڑا پر آشوب اور خطرناک تھا۔ تہذیب و تمدن کا شجر عظیم جس کے برگ و بار اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے اور جس کی شاخوں میں کمی علم و فن اور ادب کے ثمرہ ہائے زرین لگے تھے، بوسیدہ ہو رہا تھا۔ اس کی رگوں میں عقیدت اور احترام کا رس ہی باقی نہیں رہا کہ اس کی زندگی قائم اور برقرار رہتی۔ برعکس اس کے جنگ و جدال کی آندھیوں نے جو آئے دن اٹھتی رہتیں اس کی جڑیں کھوکھلی کر رکھی تھیں۔ اس کا وجود قائم تھا تو صرف عہد قدیم کے رسم و رواج اور قوانین کی بدولت، لیکن جو معلوم نہیں کب ختم ہو جائے۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کیا ایسی کوئی تہذیب موجود تھی جس کی بنا محض جذبات پر ہوتی اور جس سے بنی نوع انسان میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ ساتھ تمدن عالم کی عمارت بھی محفوظ ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر اس قسم کی

تہذیب کا کہیں وجود ہوتا تو اس کی نوعیت یکسر مختلف ہوتی۔ یہ اس
لئے کہ قدیم متمدن دنیا کی تکالیف اور رسوم وظواہر تو مردہ ہو چکے
تھے جن کے بدلے اس طرح کی کوئی دوسری تکالیف یا رسوم وظواہر
پیدا کئے جاتے تو اس کے لئے صدیوں کی ضرورت ہوتی۔''(۷)

اقبال کے نزدیک دنیا کو اس وقت ایک نئی تہذیب کی ضرورت تھی تا کہ وہ اس تہذیب کی جگہ لے سکتی جس کی بنیاد بادشاہت پر تھی۔ اس نئی تہذیب کا ظہور سرزمین عرب پر ہوا۔ اسلام سے پہلے عربوں نے نسطوری عیسائیوں سے یونانی فلسفہ سیکھا۔ اسلام سے پہلے یہی عیسائی تھے جو تعلیم کے اداروں پر حاوی تھے۔ اسلام کے تین سو سال بعد عیسائی کلچر اور تعلیم کی جگہ اسلامی تعلیم اور عربی زبان نے لے لی۔ ''تہذیبوں کا تصادم'' میں سموئیل پی ہنٹنگٹن اسلامی تہذیب وتمدن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تمام نمایاں سکالرز اس حوالے سے متفق ہیں کہ سنیا میں ایک علیحدہ
اسلامی تہذیب موجود ہے۔ اسلام ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ
نمائے عرب میں ظہور میں آیا اور تیزی کے ساتھ شمالی افریقہ اور
جزیرہ نمائے آسٹریا تک وسعت اختیار کر گیا۔ پھر بعد میں یہ وسطی
ایشیا، برصغیر اور جنوب مشرقی ایشیا تک پھیل گیا۔''(۸)

اسلامی ثقافت کی بنیاد توحید پر ہے۔ توحید کا مطلب ہے اللہ کو ایک ماننا اور اس وحدت پر یقین رکھنا۔ اللہ کے نزدیک انسان کے لئے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح اور درست ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا مالک اور معبود تسلیم کرے۔ اور اس کی بندگی اور غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کر دے۔ اللہ ہی ہر شے کا خالق و مالک ہے۔ ہر طرف اس کی ہی بادشاہی ہے۔ فیصلے کا سارا اختیار اللہ کو ہے۔ اللہ کے نزدیک توحید صرف عقیدہ نہیں بلکہ ایک نظام حیات ہے اور وحدت ملی کی اساس بھی ہے۔ توحید کے بارے میں اپنے افکار کی وضاحت کے لئے اقبال نے اپنے فارسی کلام ''رموز بے خودی'' میں سورۃ الاخلاص کی تفسیر بیان کی ہے۔ توحید مساوات اور حریت کی اساس ہے۔

اسلامی عقائد میں رسالت پر ایمان لانا دوسرے نمبر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نبوت کو ختم کر دیا اور آپ ﷺ کو نبی آخر الزماں قرار دیا۔ طواسین اقبال میں ایس ایم عمر فاروق ختم نبوت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلامی ثقافت کا ایک اہم جزو ختم نبوت کا تصور ہے۔ تسخیر عالم
کے لئے اسلام نے یہ خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ختم نبوت یعنی وحی
کے زمانے کے ختم ہونے پر اپنی عقل و دانش کے سہارے ہی آگے
بڑھے گا۔ اسلام میں ختم نبوت چونکہ اپنے معراج کمال پر پہنچ چکی

تھی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا تھا۔ اور تجربہ کی بنا پر معاشی
طریقے سے استقرائی عقل کا ظہور ہو چکا تھا۔ انسان ہمیشہ تو
سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا اس کے شعور ذات یا شخصیت کی
تکمیل اسے خود اپنے وسائل سے کرنی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال
کے نذدیک اسلام نے نہ دینی پیشوائی کو مانا اور نہ موروثی بادشاہت کو
جائز سمجھا۔''(۹)

حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اس طرح قرآن مجید کی صورت میں انسانوں کو ایک ضابطہ حیات ملا۔ جس میں زندگی گذارنے کے متعلق تمام بنیادی باتوں کا بیان موجود ہے۔ ایک تو اہم بات انسانیت سے محبت کرنا اور دوسری اہم بات وقت کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔ زندگی کے متعلق یہ تصور کہ یہ ایک وحدت ہے۔ اقبال نے اپنے پانچویں خطبے ''اسلامی ثقافت کی روح'' میں رسولؐ کے ارشاد کو ''اے اللہ مجھ کو اُشار کی اصل حقیقت سے آگاہ کر'' کو اسلامی ثقافت کی بنیاد تصور کیا ہے۔ ان کے نزدیک:

'' یونانی فلسفہ اگرچہ اسلام میں ایک زبردست ثقافتی قوت رہی
ہے۔ لیکن دراصل یونانیت کی روح قرآن کے فلسفے سے مختلف تھی۔
اس لئے اقبال کے نزدیک جب ہم علم کلام کے ان مختلف مذاہب پر
نظر ڈالتے ہیں جن پر خلفائے یونان کا اثر تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ
بحیثیتِ مجموعی قرآن مجید میں ان کی مصیرت محدود تھی۔''(۱۰)

اقبال کے نذدیک وقت کی حقیقت اور زندگی کا یہ تصور کہ وقت میں متواتر حرکت ہے اور یہ افلاطون کے فلسفے سے بالکل مختلف ہے اور ابن خلدون نے اس حقیقت کو سمجھا۔ اس نے تاریخ کو ایک متواتر حرکت تصور کیا۔ یہ تصور تاریخ ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ ایک ایسی متواتر حرکت ہے جس کا مستقبل کسی کو معلوم نہیں ہے۔ ابن خلدون مابعد الطبیعیاتی فلسفہ دان نہ تھا لیکن اس کا نظریہ برگساں کے نظریات کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی کلچر کی روح کا ایک نہات ضروری جزو بھی۔ افلاطون کی الجمہوریہ سے جو یونانی کلچر ظاہر ہوتا ہے اس میں اسلامی کلچر کے دو نکات مختلف طور پر اجاگر ہوتے ہیں۔ انسانیت کو افلاطون کی ریاست میں تین طبقوں میں بانٹنے سے انسانیت کے وقت کے تصور کو سخت ٹھیس لگی ہے۔

عربوں پر یہودی، عیسائی اور ایرانی تصورات کا اثر ہوا ساتویں صدی کے آغاز میں عرب محض صحرانورد نہ رہے بلکہ وہ تجارت پیشہ بن چکے تھے۔ تجارت کی وجہ سے مشرق میں ایران اور مغرب میں بازنطینی ممالک سے ان کے گہرے تعلقات استوار ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے چند سال کے اندر اندر یونانی فلسفہ وحکمت جو عرب کے ارد گرد رائج تھا، اس کا اثر ہونا ناگزیر تھا۔ مشرق ومغرب کے نو مسلم جو کہ ہزاروں کی تعداد میں تھے وہ عربی تہذیب پر اثر انداز ہوئے ۲۰۴ میں فلاطینوس پیدا ہوا۔ اس

نے اسکندریہ میں نوفلاطونیت کی بنیاد ڈالی۔

خلیفہ المامون کے زمانے میں یونانی تعلیم کی بہت ترقی ہوئی اور یونانی فلسفے کے تراجم ہوئے۔ عرب نسطوریوں کی طرح ارسطو کو افلاطون پر ترجیح دیتے تھے مگر پھر بھی عربوں کا ارسطو سے گہرا لگاؤ بھی انہیں افلاطونیت کے فلسفے سے نہ بچا سکا، فلاطینوس کی مشہور کتاب ''انیسڈز'' کے تین باب ''انہیائے ارسطوٗ'' کے نام سے افلاطونیت کا آغاز بن گئے۔ اس طرح اسلامی کلچر میں ارسطو کے نام سے نوفلاطونیت کا آغاز ہوا۔

ابن رشد نے نوافلاطونی نظریات کی بجائے حرکت کائنات کی ٹھوس حقیقتوں پر سائنس کی ہستی اور وجود کے لئے نئی بنیادیں استوار کی ہیں۔ ''خطبات اقبال ایک جائزہ'' میں محمد شریف بقا لکھتے ہیں:

> ''ثقافتی تحریک کی حیثیت سے اسلام کائنات کے بارے میں جامد نظریئے کی تردید کر کے حرکی تصور کائنات پیش کرتا ہے۔ یہ کائنات کوئی ایسی چیز نہیں جو پہلے ہی سے تکمیل یافتہ ہو بلکہ یہ تو ہمیشہ ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے۔'' (۱۲)

اس بارے میں اقبال اپنی طویل نظم ''ساقی نامہ'' میں لکھتے ہیں:

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود(۱۳)

یونانی منطقی طریقہ استدلال کے خلاف تجرباتی منہاج کی اشاعت ہوئی جس نے یورپ کو سائنس کا طریقہ بخشا۔ اس سلسلے میں ایس ایم عمر فاروق ''طواسن اقبال'' میں رقم طراز ہیں:

> ''جب اسلامی اندلس تاریکی کے پردوں مین چھپ چکا تو اس وقت تجرباتی منہاج یورپ پر اثر انداز ہوا۔ اس طرح اقبال نے ابن رشد کو اسلامی ثقافت کی حقیقی روح جو محسوس اور متناہی معاملات پر توجہ دیتی ہے، کا علم بردار ہے۔ اسے فکر یہی تھی کہ کائنات کس طرح تبدیل ہو رہی ہے نہ کہ کائنات کس طرح تخلیق ہوئی۔ پہلا رویہ محسوس اور متناہی معاملات پر توجہ کا ہے اور دوسرا نظریات و تجلیات پر۔ یہی فرق ہے اسلامی اور یونانی ثقافت میں اور یہ فرق پہلی دفعہ ابن رشد نے اجاگر کیا اور یہی قرآن مجید کی حقیقی تعلیم کی روح ہے۔'' (۱۴)

یونانی فلسفے نے تمام اسلامی اقوام کو عمل سے محروم کر دیا تھا۔ اس وقت ابن تیمیہ نے اس روش

کے خلاف آواز اٹھائی۔ یونانی فلسفہ نے دوسو سال تک مسلمانوں کو قرآن کی اصل روح کر سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔مغربی تنقید نگاروں نے اسلامی تہذیب کو مجوس تہذیب کا حصہ قرار دیا جو سراسر غلط ہے۔اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان کی خودی آزاد اور با اختیار ہے جو کہ کائنات کی تسخیر تجرباتی منہاج سے کرتی ہے۔اور یہی حقیقی اسلامی ثقافت کی روح ہے۔ یہ انسانیت سے محبت اور اس کا پاس اسلامی مساوات کا پہلا حصہ ہے جو مغرب میں ناپید ہے۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس کی تاریخ میں یہ تصور محض کو فلسفیانہ تصور نہ تھا اور نہ شاعرانہ خواب۔ بلکہ روزمرہ زندگی میں اسلامی مساوات ایک زندہ اور قائم عنصر بن کر انسان کی زندگی میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔

ہندوستان کی تہذیب بہت پرانی ہے۔ان کے ہاں سنسار کا چکر ہے۔ان کے عقیدے کے مطابق انسان اس دنیا میں سات بار جنم لیتا ہے اور ہر چیز میں جس طرح اس کا عمل ہوتا ہے اس کے مطابق اس کو شکل عطا کی جاتی ہے۔خراب عمال والے لوگ جانوروں کی شکل میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ ہندو وحدانیت پر یقین نہیں رکھتے۔ان کے ہاں سینکڑوں دیوی اور دیوتا ہیں جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔ ہندوعورتوں میں ناچ گانے کا رواج ہے۔ ہندو مذہب میں بھجن گائے جاتے ہیں۔ان کی مقدس کتاب کا نام ''رگ وید'' ہے جو تقریباً ایک ہزار بھجنوں پر مشتمل ہے۔ ہندو مذہب میں عورتوں کی حالت بڑی پتلی ہے۔شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو خاوند کی چتا کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا ہے۔یعنی بیوہ ہونے کے بعد ان کو شادی کی اجازت نہیں۔اب قانوناً ''ستی'' پر پابندی لگائی جا چکی ہے پھر بھی کہیں اکا دکا واقعات سننے کو مل جاتے ہیں۔ ہندوؤں میں انسانوں کو دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ہندو مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ وہ انسانوں کو بتوں کے سامنے ذبح کر دیتے ہیں مگر جانوروں کو ذبح نہیں کرتے۔اس لئے یہ گوشت بھی نہیں کھاتے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں ایک ہی بار پیدا ہوتے ہیں۔اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔''رگ وید'' کے مقابلے میں قرآن مجید الہامی کتاب ہے۔اسلام میں ناچ گانے پر پابندی ہے۔انسان کے قتل کا بدلہ قتل ہے۔اسلام میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ اسلام کا عقیدہ ہے کہ روزِ قیامت تمام انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تاکہ ان کے اعمال کا حساب ہو سکے اور جنت اور دوزخ اعمال کے حساب سے دی جائے۔ ان دونوں مذہبوں اور قوموں کی تہذیب وثقافت دنیا کی بہترین ثقافت ہے۔اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

عیسائیت کا جائزہ لینے کے بعد پتا چلتا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں حالانکہ اللہ کو نہ کسی نے جنا اور نہ اللہ نے کسی کو جنا۔اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں مسلمانوں نے علوم و فنون اور تہذیب وتمدن میں بے حد ترقی کی۔اس زمانے میں مغرب جمود اور زوال کا شکار تھا۔سولہویں صدی عیسوی تک وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا،عصرِ حاضر میں مغرب کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے وہ سائنسی تجربات کی بدولت حاصل ہوئی ہے جس کی ابتدا تو مسلمانوں نے کی لیکن پھر

مسلمانوں نے اس طرف سے توجہ ہٹالی اور علوم وفنون کی ترقی میں مغرب آگے نکل گیا۔

اقبال کے نزدیک مغربی اقوام کی ترقی مادہ پرستی کی بدولت ہے۔ جدید مغربی ثقافت میں مادی زندگی کی قدرو قیمت ہے جو اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلامی روح عدل وانصاف اور اعتدال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ یورپ نے اپنے آپ کو مادی لذتوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک مادی بنیادوں پر کسی تہذیب کو استحکام نصیب نہیں ہوتا۔ جس تہذیب وتمدن میں روحانیت نہیں ہے وہ تہذیب کبھی بھی اچھی تہذیب نہیں کہلاسکتی۔ اقبال ''ضربِ کلیم'' میں مغربی تہذیب کے متعلق فرماتے ہیں:

فسادِ قلب وجگر ونظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف(۱۵)

اقبال کے نزدیک عیسائی تہذیب وتمدن نے عقل کو بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہئے کرے، جدھر چاہے جائے۔ یہی اس کی سب سے بڑی بدنصیبی اور نارسائی۔ وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ایسی تمدن کے سائے میں اخلاص اور عقیدت کے نازک پودے کبھی نہیں پنپ سکتے۔ جب تک عقل کی بے راہ روی پر اخلاقی پابندیاں نہ ہونگی۔ عشق اور عقیدت کو اپنا کھویا ہوا مقام نہ مل پائے گا۔ اہل مغرب کی بڑی محرومی یہ ہے کہ وہ دل بیدار ودیدۂ بینا سے بے خبر ہیں۔ اپنی تمام تر ترقیوں اور معاشی برتری کے باوجود ان کے ہاں نفاق، معاشرتی خرابیاں اور اخلاقی بگاڑ بہت زیادہ ہے۔ بظاہر یہ تہذیب وثقافت امن و مساوات کی علم بردار ہے مگر اس تہذیب میں دولت اور زمانہ سازی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کسی کی بالادستی کو تسلیم نہ کرنا تمام تر خرابیوں کی جڑ ہے۔

اقبال کو مغربی تہذیب وتمدن سے یہ شکایت ہے کہ اس میں انسان اپنے باطنی سرچشمے کو صاف نہیں کرتا۔ اگر تہذیب فرنگی نے اخلاقی قدروں کا پامال نہ کیا ہوتا تو اسلامی تہذیب کے قریب ہوتی۔ جوں جوں طبعی سائنس ترقی کرتی گئی اس کے حامی مذہب سے بیزار ہوتے گئے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کو فقط روحانیت، الٰہیات اور اخلاقیات ہی از روئے وحی حاصل نہیں ہوتیں بلکہ تمام طبعی علوم کے متعلق بھی وہی باتیں قابل یقین ہیں کو صحیفہ آسمانی میں درج ہیں۔ جب مذہب کو سائنس کے ساتھ ٹکرایا گیا تو کلیسا کا جبر اور اس کی تلواریں بھی مفکرین کا رخ حقائق سے نہ پھیر سکیں۔ اپنی نظم ''سرگزشت آدم'' میں اقبال فرماتے ہیں:

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلہ گردشِ زمیں میں نے(۱۶)

اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئے تو انہوں نے مغربی وطن پرستی کو بہت قریب سے

دیکھا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی برائیوں کا بھی مشاہدہ کیا تب انہوں نے اپنا وطن پرستی کا نظریہ چھوڑ دیا اور اس کی جگہ مسلم قومیت نے لے لی۔ اقبال اپنی ایک نظم ''دام تہذیب'' میں طنزاً کہتے ہیں:

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں
ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار(۱۷)

اقبال اس بات کے بھی آرزومند ہیں مغرب نے پچھلے تین سو سال میں جو ترقی کی منازل طے کی ہیں مسلمان بھی ان سے مستفید ہوں۔ مگر دنیا کو سنوارنے کیلئے اپنی خودی کو نہ چھوڑیں۔ اور اپنے خدا کو نہ بھولیں۔ اقبال تہذیب مغرب کی خوبیوں کے مداح تھے مگر ان کی مادیت پرستی کے خلاف تھے۔

اقبال نے مزدوروں کے حق میں اور سرمایہ داروں وجاگیرداری کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور یہ عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے کیونکہ اسلامی تہذیب میں مزدور کے استحصال اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام میں عدل، انصاف واحسان بنیادی معاشرتی اقدار ہیں جن کی پابندی لازمی ہے۔ جہاں تک طبقاتی تقسیم کا تعلق ہے اسلام نے اس کی جڑیں ہی کاٹ دیں۔ اسلامی ثقافت میں ذات پات، رنگ ونسل یا شے کی بنیاد پر کسی قسم کے طبقات کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اقبال اشتراکیت پسند ہیں، وہ دو باتوں کی وجہ سے سوشلزم کو پسند کرتے تھے، ایک یہ کہ اس نے کلیسا کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور دوسرا یہ کہ اس نے سرمایہ داری نظام کو ختم کر کے معاشرتی اور معاشی انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کیا۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک ''اقبال اور ثقافت'' میں لکھتے ہیں:

> ''کلیسا کی مخالفت کا مطلب عیسائیت کی مخالفت قطعاً نہیں تھا۔ وہ لوگ جو مغرب کی معاشرتی تاریخ سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ کلیسا نے ایک انتہائی بھیانک جاگیردارانہ نظام کی شکل اختیار کر لی تھی۔ علامہ بھی ''مغرب'' کی اصطلاح ان وسیع تر معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ وہی کلیسا کا استحصالی نظام مغرب کے سیاسی بالادستی کے نظام کی شکل اختیار کر گیا۔''(۱۸)

اقبال اشتراکیت سے مکمل طور پر متفق نہ تھے۔ یہ ان کی بصیرت ہے کہ انہوں نے اشتراکیت کی خرابیوں کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ جو کام اشتراکیت نے زور زبردستی سے کروایا وہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ اقبال اشتراکیت کے صرف ان پہلوؤں سے متفق ہیں جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ باقی نظریات کی وہ سختی سے تردید کرتے ہیں۔ اقبال کے دور میں دنیا میں جمہوریت، اشتراکیت اور فسطائیت ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اقبال ان تینوں نظاموں کے خلاف تھے۔ وہ صرف اسلامی نظام فکر کے قائل تھے۔ اقبال نے تقریباً تمام پرانی تہذیبوں کا مطالعہ کیا۔ اگر ان کو ان تہذیبوں میں کوئی بھی مفید بات ملتی تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے۔

فاشسٹوں نے انقلاب فرانس اور امریکہ کی جنگ آزادی کے فلسفہ حیات میں پائی جانے والی انفرادی آزادی اور اقوام کی برابری کی حیثیت ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے برعکس انہوں نے اجتماعی اقتدار اعلیٰ پر زور دیا جس میں انفرادیت اور تشکیک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اسی طرح رومی، عیسائی، افلاطونی، ہندی، اشترا کی یا فسطائی کوئی بھی تہذیب وثقافت اسلامی تہذیب وثقافت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہر تہذیب وثقافت میں کئی قسم کی برائیاں ہیں مگر اسلامی تہذیب وثقافت جس بنیادیں قرآنی تعلیمات پر استوار ہوئی ہیں اور اس کی عمارت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق تعمیر ہوئی ہے، ایک مکمل ثقافت ہے اور اقبال اسلامی تہذیب وثقافت کے داعی ہیں۔ وہ ایک اسلامی معاشرے میں اسلامی ثقافت کا راج دیکھنا چاہتے تھے۔

حوالا جات

ا۔ ول ڈیورانٹ، انسانی تہذیب کا ارتقاء، مترجم: تنویر جہاں، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص:۳

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص:٦٦۳

۳۔ سرسید احمد خان، مقالات سرسید، مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹٦۲ء، ص:۳۔۲

۴۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، دور جدید کے عالمگیر فتنے، ملتان: جاوید اکیڈمی، ۱۹۸۰ء، ص:۲۰۹

۵۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، س ن، ص:۴۲

٦۔ ایضاً، ص:۱۹

۷۔ نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸٦ء، ص ۲۲٦۔۲۲۵

۸۔ سیموئیل پی ہنٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، مترجم: عبدالمجید طاہر، ملتان: بیکن بکس گلگشت، س ن، ص:۳۷

۹۔ الیس ایم عمر فاروق، طوالیس اقبال، جلد دوم، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص:۴۰

۱۰۔ ایضاً، ص:۴۷۔۴٦

۱۱۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء، ص:

۱۲۔ محمد شریف بقاء، خطبات اقبال ایک جائزہ، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص:۱۱۲

۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص:۴۱۸

۱۴۔ الیس ایم عمر فاروق، طوالیس اقبال، جلد دوم، سوم، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص:۱۷

۱۵۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص:۵۳۳

۱٦۔ ایضاً، ص:۸۲

۱۷۔ ایضاً، ص:٦۱۵

۱۸۔ مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، اقبال اور ثقافت، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸٦ء، ص:

☆......☆......☆